ان کو وجود میں لاتی ہے صحیح ہو گا تو ان کو ترتیب دینے والی عقل بھی صحیح ہو گی۔ لہٰذا جس انسانی یا معاشرتی علم کا بنیادی تصوّر خدا نہ ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اعمالِ انسانی کا حقیقی سرچشمہ خدا کی محبّت کا جذبہ ہے۔

مقامِ عقل کے متعلّق دَورِ حاضر کی غلط فہمی

افسوس ہے کہ اب تک انسان کے امتیازی اوصاف میں سے اس کے ایک وصف کو جسے ادراک یا عقل کہا جاتا ہے حد سے زیادہ اہمیّت دی گئی ہے اور یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا وصف جس کی وجہ سے اسے حیوانات پر فضیلت حاصل ہے یہی ہے۔ حالانکہ دراصل انسان کا امتیازی وصف جس کی وجہ سے وہ انسان بنتا ہے اور حیوانات سے برتر ٹھہرتا ہے اس کی آرزوئے حسن ہے، جو صرف خدا کے تصوّر سے مستقل اور مکمل طور پر مطمئن ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ کی عقل تو اعلیٰ سطح کے حیوانات میں بھی موجود ہے لیکن تصوّرات کے حسن و کمال کی محبّت کم از کم حیاتیاتی زندگی سے اوپر کی سطح کے تصوّرات کی محبّت سوائے انسان کے اور کسی حیوان میں موجود نہیں۔ انسان کی عقل کی اگر کوئی اہمیّت ہے تو وہ فقط اس قدر ہے کہ وہ انسان کی آرزوئے حسن کی خدمت گزار ہے، لہٰذا اس کی اہمیّت ذاتی اور اصلی نہیں، بلکہ آرزوئے حسن سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اگر انسان کی عقل آرزوئے حسن کی غلام اور خدمت گزار نہ ہو تو وہ اسے حیوانات سے بھی بدتر بنا دیتی ہے۔ حسن کی تمنا میں ہی انسان کی تمام آرزوئیں جنم لیتی ہیں اور اپنی جستجو کی راہیں معین کرتی ہیں۔ حسن کی تمنّا ہی انسان کے تمام اعمال کی خالق اور راہبر ہے عقل کو یہ مقام حاصل نہیں

حسنِ خلّاقِ بہارِ آرزوست　　　جلوہ اش پروردگارِ آرزوست

ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل　　　در بیابانِ طلب ما را دلیل

نقشِ او محکم نشیند در دلت　　　آرزو ہا آفریند در دلت

اقبال دَورِ حاضر کے انسان کو جو اپنی نادانی سے عقل ہی کو انسان کا سب سے بڑا امتیازی وصف سمجھا ہوا ہے، خوب جھنجھوڑ کر جذبۂ حسن کی اہمیّت بتاتا ہے۔

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں　　　غافل تُو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

© rasailojaraid.com

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ　　　کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک!

تجلّی کی اہمیّت

ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ خدا کی محبّت کو تفکّر فی الخلق (مشاہدۂ قدرت) تفکّر فی الصّفات (عبادت) اور تخلّق با خلاق اللہ (حسنِ عمل) کے ذرائع سے فروغ دے کر درجۂ کمال پر پہنچائے۔ اس طریق سے اس کے دل کے اندر خدا کی معرفت کا وہ نور پیدا ہو گا جسے اقبالؔ "تجلّی" یا "جلوہ" کا نام دیتا ہے اور چونکہ اس طریق سے اس کا جذبۂ محبّت پوری پوری تشفی حاصل کرلے گا، اور اس جذبہ کے علاوہ تشفی کا تقاضا کرنے والا کوئی اور جذبہ انسان کے اندر ہے ہی نہیں ــــــ لہٰذا اس کے لیے بے اطمینانی اور پریشانی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔ اور عقل کے لیے ممکن نہیں رہے گا کہ وہ اس کے دل میں کوئی اعتراضات یا شکوک وشبہات پیدا کرسکے۔ اس کے برعکس اگر انسان کے دل میں خدا کی محبت اس کی استعداد کے مطابق اپنے کمال کو نہ پہنچے گی تو چونکہ اس کے جذبۂ محبت کا ایک حصّہ غیر مطمئن رہے گا، اس کا سکونِ قلب مکمل نہ ہو سکے گا۔ اور عقل کے لیے موقع باقی رہے گا کہ اس کو شکوک وشبہات میں ؓراستی رہے۔ اگر انسان کا دل خدا کی معرفت کے نور سے پوری طرح منور نہ ہو تو اس کی عقل جو فقط اس نور سے ہی راہنمائی پا سکتی ہے بھٹکتی رہتی ہے۔ اور اسے مسرور اور مطمئن ہونے نہیں دیتی۔ حکمت کے بیابانوں میں مدّتوں خاک چھاننے کے بعد اگر عقل کو کہیں پناہ ملتی ہے تو توحید میں۔

در جہانِ کیف و کم گردید عقل　　　پے بمنزل بُرد از توحید عقل

اس کے علاوہ چونکہ شریعت کی پابندی اور نیک عملی کی زندگی خدا کی محبت کا نہ رکنے والا تقاضا ہے، لہٰذا جب خدا کی محبت اپنے کمال پر ہو گی تو انسان شریعت کی پابندی یا نیک عملی کی زندگی کو کسی مجبوری سے اختیار نہیں کرے گا بلکہ ایک ایسی خواہش سے اختیار کرے گا جسے روکنا اس کے بس کی بات نہ ہو گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اپنی عقل کو مطمئن کرنا چاہتا ہے، اگر وہ اس کے اعتراضات کا ایسا جواب مہیا کرنا چاہتا ہے جو اس کے لیے مکمل طور پر کافی اور شافی ہو، اگر وہ

id.com

چاہتا ہے کہ دین اور شریعت کے راستوں پر مجبوری سے نہیں بلکہ پورے ذوق وشوق سے گامزن رہے اور نہیں چاہتا کہ مختلف نظریات اور تصوّرات کے درمیان بھٹکتا پھرے تو اسے اپنے دل کو خدا کی محبت اور معرفت کے نور (تجلّی) سے منوّر کرنا چاہیے، ورنہ اس کی روح اس کے فاسد خیالات کی دولتیوں کی مار کھا کھا کر مردہ ہو جائے گی۔ دلوں میں خدا کے نور کا جلوہ فرد اور قوم دونوں کے لیے پیغامِ حیات ہے اور ہماری فطرت کا ایک زبردست تقاضا یہ ہے کہ ہم اس نور کو اپنے دلوں کے اندر بسائیں۔

بے تجلّی مردِ دانا رہ نہ بُرد
از لگدکوب خیالِ خویش مُرد
بے تجلّی زندگی رنجوری است
عقل مہجوری و دیں مجبوری است

نگہ پیدا کر اے غافل تجلّی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا
ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

بے تجلّی نیست آدم را ثبات
جلوۂ ما فرد و ملّت را حیات

تجلّی سے یہاں اقبال کی مراد خدا کی معرفت یا خدا کی محبت کا نور ہے۔

تنظیمِ اسلامی کی انقلابی دعوت کا نقیب
ماہنامہ میثاق لاہور
زیرِ ادارت: ڈاکٹر اسرار احمد
فی شمارہ ۔/۵ روپے سالانہ زرتعاون ۔/۵۰ روپے
© rasailojaraid.com

خودی اور مُشاہدۂ قدرت

خودی کی ایک اہم ضرورت مشاہدۂ قدرت ہے

خودی خدا کی محبّت کے جذبہ کی مکمل تشفی چاہتی ہے جو اظہار محبّت سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا خودی اپنے جذبۂ محبّت کی کامل تشفی کے لیے اظہارِ محبّت کے تمام ممکن ذرائع کو کام میں لاتی ہے۔ ان میں سے ایک ذریعہ مظاہرِ قدرت کے اندر خدا کی صفات کے حسن و جمال کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ خدا مخفی ہونے کے باوجود کائنات میں آشکار ہے۔ وہ زندگی ہے، وجود ہے۔ اور وجود کا خاصہ آشکارائی ہے۔ لہٰذا خدا نے اپنی صفات کو اپنی تخلیق میں پوری طرح سے آشکار کر رکھا ہے۔

گفت موجود آنکہ مے خواہد نمود آشکارائی تقاضائے وجود

کائنات کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ خدا کی صفات کے حسن کی جلوہ گاہ ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ کائنات گویا ہے ہی نہیں، فقط خدا ہی خدا ہے جس کا حُسن کائنات کی صورت میں بے حجاب ہوگیا ہے۔ یا ہم ہیں جو اس حسن کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

گفت آدم! گفت از اسرارِ اوست
گفت عالم! گفت او خود روبروست

بہ بزم ما تجلّی ہاست بنگر
جہاں ناپید و اُو پیداست بنگر
در و دیوار و شہر و کاخ و کو نیست
کہ ایں جا ہیچ کس جز ما و اُو نیست

زمین و آسمان و چار سو نیست
دریں عالم بجز اللہ ہو نیست

کائنات کا یہ مادی پیکر خودیٔ عالم کی ہستی اور قدرت اور قوت کے نشانات میں سے ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز جو ہم دیکھتے ہیں اپنے وجود کے لیے خودیٔ عالم کی صفات کی پُراسرار تخلیقی کارروائی کی مرہونِ منّت ہے۔

پیکرِ ہستی ز آثار خودیست
ہر چہ مے بینی ز اسرارِ خودیست

لہٰذا خودی کو خدا کے حسن کے مشاہدہ سے لذت اندوز ہو کر اپنے جذبۂ محبت کی تشفی کرنے کے لیے کسی دقّت کا سامنا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم قدرت کے آئینہ پر نگاہ ڈال کر خدا کے حسن کا جلوہ مفت میں دیکھ لیتے ہیں لیکن حسنِ حقیقی کے اس نظارہ کے لیے شرط یہ ہے کہ ہمارا فطری ذوقِ حسن یا خدا کی محبت کا جذبہ مُردہ نہ ہو چکا ہو۔ اور ہماری نگاہ سلامت رہے:

اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحر! یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی!
سفر عروسِ قمر کا عماریٔ شب میں
طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی!
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی!

صبح و ستارہ و شفق و ماہ و آفتاب
بے پردہ جلوہ ہائے نگاہ مے توان خرید

فطرت کے مطالعہ سے خدا کی جو معرفت حاصل ہو سکتی ہے وہ کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہو سکتی۔ چمن کا ہر آتشیں رنگ گلِ لالہ انسان کے دل میں اپنی کشش پیدا کر کے انسانی خودی کی اس مخفی حقیقت کو آشکار کر رہا ہے کہ وہ سراپا آرزوئے حسن ہے۔

© rasailojaraid.c

کھلا جب چمن میں کتب خانۂ گل
نہ کام آیا مُلّا کو علمِ کتابی
کہا لالۂ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرارِ جاں کی ہوں میں بے حجابی

قدرت کا حُسن خدا کے حُسن کا آئینہ ہے

قدرت کا حسن خدا کا آئینہ ہے، جس میں خدا کا جمال منعکس ہوتا ہے اور قدرت کے حُسن کا آئینہ جس میں قدرت کا حسن منعکس ہوتا ہے انسان کا دل ہے۔ لیکن اچھے شاعر کا اچھا کلام انسان کے دل کا آئینہ ہے جس میں انسان کی آرزوئے حُسن کا عکس نظر آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جو کچھ سوچتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے حُسن کی جستجو کے لیے کرتا ہے۔

حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن
دلِ انساں کو ترا حسن کلام آئینہ

حسن خداوندی نے اپنے اردگرد فطرت کا حجاب بُنا ہوا ہے لیکن یہ حجاب اتنا باریک ہے کہ اس میں سے اُن فرشتوں کے تبسم ہائے پنہاں، جو اس حجاب کو بُنتے ہوئے اس بات پر ایک رُکی ہوئی ہنسی سے ہنس رہے ہیں کہ یہ حجاب ہے بھی اور نہیں بھی، آشکار نظر آتے ہیں۔ یہ کائنات انسان کو حق تعالیٰ کے دیدار کی دعوت دے رہی ہے اور یہ عجیب بات نہیں، اس لیے کہ ہر حسین جس کا حُسن چھپا ہوا ہو اپنے حُسن کو بے حجاب کرنے کا آرزومند ہوتا ہے۔ خدا کے حُسن کو آشکار ہونا ہی تھا۔

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی
یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

aid.com

خودی کی تربیت اور ترقی کا ذریعہ

خودی کے جذبۂ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خدا کے حسن کا مشاہدہ کرے اور اس مشاہدہ سے اطمینان اور سرور حاصل کرے تاکہ اپنے جذبۂ محبت کو اور تیز کرے اور حسن کی نامعلوم گہرائیوں اور وسعتوں سے پوری طرح آشنا اور پوری طرح سے لذت اندوز ہو۔ فطرت کا حسن خودی کی اس کوشش کو آسان بناتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، زمین و آسمان، سمندر، جھیلیں، بادل، ندیاں، ہوائیں، سحر کا نور، شام کی شفق، باغ و راغ، رات اور دن کا تغیر، موسموں کا انقلاب اور حیوانات و نباتات کی زندگی اپنی تمام رنگارنگی اور ثروت و شوکت کے سمیت مختصراً قدرت کے تمام مظاہر جو قدرت کے مسلسل عمل تخلیق اور تربیت، تعمیر اور ترتیب، تنظیم اور تجویز، تحفظ اور تحسین اور تجمیل اور تزئین کے آئینہ دار ہیں خالقِ کائنات کے حسن و کمال کا عکس ایسی ہی وضاحت اور صفائی سے پیش کرتے ہیں جیسے کہ کسی باکمال فنکار کا شاہکار اس کے ذہنی، جمالیاتی، اخلاقی اور روحانی کمالات کا عکس پیش کرتا ہے۔ اور خودی جس قدر کارخانۂ قدرت پر خدا کی صفات کے مظہر کے طور پر غور و فکر کرتی ہے، جس قدر مظاہرِ قدرت کی باریکیوں میں جاتی ہے اور ان کے عوامل اور اسباب کا، ان کی تفصیلات اور جزئیات کا، اور ان کے نتائج اور حاصلات کا جائزہ لیتی ہے اسی قدر زیادہ وہ خدا کی صفات کے حسن سے آشنا ہوتی ہے اور اُسی قدر زیادہ اپنی آرزوئے حسن کی تشفی پا کر مسرت اور اطمینان حاصل کرتی ہے اور اسی قدر خدا کی محبت کو اس کے درجۂ کمال کے قریب لاتی ہے اور اسی قدر اپنی تربیت اور ترقی کا اہتمام کرتی ہے۔ قدرت گویا انسان کو خدا کی معرفت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تختی کا کام دیتی ہے۔

کوہ و صحرا، دشت و دریا، بحر و بر
تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر

قرآن حکیم میں مشاہدۂ حسن کی اس شکل کو تفکر فی الخلق کہا گیا ہے اور مومن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے مظاہرِ قدرت پر غور و فکر کرے۔ اقبال شاید قرآن حکیم کے اسی ارشاد کی طرف اشارہ کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ مومن قدرت کے مشاہدہ

© rasailojaraid.com

اور مطالعہ میں غرق رہتا ہے۔

علم ترساں از جلالِ کائنات
عشق غرق اندر جمالِ کائنات

مشاہدۂ قدرت سے اقبال کا شغف

جہاں موقع ملتا ہے اقبال خود مزے لے لے کر مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس میں خدا کے حسن کو بے حجاب دیکھتا ہے جو بڑی بے پرواہی کے ساتھ دشت و راغ میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
حسنِ بے پروا کو اپنی بے حجابی کیلئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

مومن کے دل کی آنکھ کائنات کے مشاہدہ سے روشن ہوتی ہے کیونکہ وہ کائنات میں جو فقط خدا کی صفات کی مظہر ہے، خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔

چشمِ اُو روشن شود از کائنات
تا بہ بیند ذات را اندر صفات

قدرت کا حسن قلب و نظر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ حسن ازل کی نمود ہے اور اس میں خود حقیقتِ وجود بے پردہ نظر آتی ہے۔

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں   چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار سود، ایک نگاہ کا زیاں!

aid.com

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب!
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں!

ہمیں زندگی کا راستہ اندھوں کی طرح سَر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اردگرد کی کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے اپنی معرفت کے نور کو چمکانا چاہیے اور قرآنِ حکیم کا ارشاد بھی جو ہمیں 'اُنظر' کہہ کر خطاب کرتا ہے یہی ہے۔

تو کہ مقصودِ خطابِ اُنظری
پس چرا ایں راہ چوں کوراں سری

خدا نے ہمیں آنکھیں اس لیے دی ہیں کہ ہم ان کے نور سے قدرت کا مشاہدہ کریں اور اس مشاہدہ کے ذریعہ سے خالقِ قدرت کی محبت (نگاہ) پیدا کریں۔

بیا با شاہدِ فطرت نظر باز | چرا در گوشۂ خلوت نشینی
ترا حق داد چشمے پاک بینے | کہ از نورش نگاہے آفرینی

کائنات کے حسن کا احساس

کائنات کا حسن ہمارے جذبۂ حسن کا راہنما ہے۔ وہ اسے اکساتا اور تیز کرتا ہے۔ اگر کائنات میں حسن نہ ہوتا تو ہماری خودی کی آرزوئے حسن نہ بیدار ہوتی، نہ اپنے مقصود کو پا سکتی۔

حسنِ خلّاقِ بہارِ آرزوست
جلوہ اش پروردگارِ آرزوست

لیکن اس کے برعکس یہ بھی درست ہے کہ اگر ہمارے دل میں حسن کی آرزو نہ ہوتی تو کائنات کا حُسن حسن نہ ہوتا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی معیار ہی نہ ہوتا جس سے پرکھ کر ہم اسے حُسن قرار دے سکتے۔ پھر نہ ہم کائنات کے حسن کی ستائش کر سکتے، نہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس کے خالق کا کوئی تصور قائم کر سکتے۔ حقیقت کا سارا علم ہمارے اندر ہے ہم سے باہر نہیں۔ قدرت کا مشاہدہ فقط اسے بیدار کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ خدا کا عرفان اپنا عرفان ہے اور خدا پر ایمان لانا اپنے آپ پر ایمان لانا ہے۔ اگر قدرت حُسن فروش

© rasailojaraid.

ہے تو خودی مخریدارِ حسن ہے اور ایک کے بغیر دوسرا اپنا مدعا نہیں پا سکتا۔ ایک طرف سے خدا کا حسن کائنات میں پیدا اور ظاہر ہے اور دوسری طرف سے انسان کی آنکھوں میں مخفی اور مستور بھی ہے۔ اگر خدا کا حسن ظہور پائے اور انسان کے دل کی آنکھوں میں مستور نہ ہو یعنی انسان کے دل میں اپنا وہ اثر یا احساس پیدا نہ کر سکے جو وہ انسان کی مخفی آرزوئے حسن کی وجہ سے پیدا کرتا ہے تو اس کا ظہور بھی بے معنی رہے۔ لہٰذا حسن کا اصل مقام انسان کے دل کے اندر ہے اور یہ انسان کا دل ہی ہے جو حسنِ کامل کا صحیح محک و معیار ہے اور خارجی اشیاء میں سے کوئی شے بھی ایسی نہیں جو مکمل طور پر اس کے معیار کے مطابق ہو۔

حسن را از خود بروں جستن خطاست
آنچہ مے بالیست پیش ما کجاست

اس سے ظاہر ہے کہ تجلّی یا معرفتِ کاملہ کا دار و مدار اسی حسن کے کامل احساس پر ہے جو انسان کے دل کے اندر مخفی ہے۔

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری!

حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور
کسے خبر کہ تجلّی ہے عینِ مستوری!

خارجی کائنات کے مشاہدہ کا کام فقط یہ ہے کہ وہ اس احساسِ حسن کو بیدار کرتا ہے جو انسان کے دل کے اندر ہے۔ اور مشاہدۂ کائنات کا یہ کام نہایت ہی اہم ہے کیونکہ انسان کی معرفت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

ہر خودی نظروں سے مخفی رہتی ہے

کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ سے خدا کو جاننا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ مثلاً میں اپنے کسی بہترین دوست کو اس کے بیرونی اعمال و افعال کو دیکھ کر جان لوں۔ بیشک خودی عالم

id.com